حضرتِ نوحؑ اور طوفانِ نوحؑ

یہ ایک علمی و تاریخی مسئلہ ہے اور چونکہ قرآنِ عزیز نے بھی نصیحت و عبرت اور عظمت و قدرتِ الٰہی کی شہادت میں اس کو پیش کیا ہے اس لیے یہ مذہبی بھی ہے۔ اور بلا شبہ قابلِ توجہ اور لائقِ التفات ہے۔ علماءِ یورپ نے بھی اس کے متعلق اپنی آراء کا اظہار کیا ہے اور قدیم و جدید علماءِ اسلام نے بھی اس پر بہت کچھ لکھا ہے اور غیر مسلم علماء کی آراء پر استدراک اور تنقید و تبصرہ بھی کیا ہے۔ حال کے اہلِ قلم علماء میں سے شیخ عبدالوہاب نجار (مصر) نے اپنی جدید تصنیف "قصص الانبیاء"[1] میں اس پر ایک دلچسپ مضمون سپردِ قلم کیا ہے۔ اس میں علمی و تاریخی دلائل و حقائق سے ثابت کیا ہے کہ قرآنِ عزیز نے اس واقعہ کے متعلق جس قدر نقل کیا ہے وہ ناقابلِ انکار حقیقت ہے۔ اور جن جزئیاتِ واقعہ سے اُس نے سکوت اختیار کیا ہے وہی غیر مستند اور تخمینی ہیں۔ اس مقالہ کا آزاد ترجمہ مع جدید اضافہ کے ہدیۂ ناظرین ہے۔ محمد حفظ الرحمٰن

حضرتِ نوح علیہ السلام پہلے رسول ہیں

حضرت آدم (علیہ السلام) کے بعد یہ پہلے نبی ہیں جن کو "رسالت"[2] سے نوازا گیا۔ صحیح مسلم میں باب شفاعت میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ہے اُس میں مذکور ہے۔

یا نوح انت اول الرسل الی الارض اے نوح تو زمین پر سب سے پہلا رسول بنایا گیا۔

[1] یہ کتاب بہت دلچسپ ہے اور قرآن و احادیثِ صحیحہ سے ماخوذ اور مستند ہے۔ مفید علمی مباحث و آراء نے کتاب کو مفید تر بنا دیا ہے۔ ادارہ سے اس کا آزاد ترجمہ جلد شائع ہونے والا ہے۔

[2] جس انسان پر خدا کی "وحی" نازل ہوتی ہے وہ "نبی" ہے اور جس کو جدید شریعت بھی عطا کی گئی ہو وہ "رسول" ہے۔

نسب نامہ علم الانساب کے ماہرین نے حضرت نوح کا نسب نامہ اس طرح بیان کیا ہے۔

نوح بن لامک بن متوشالح بن اخنوخ (ادریس علیہ السلام) بن یارد بن مہلئیل بن قینان بن انوش بن شیث (علیہ السلام) بن آدم (علیہ السلام)

اگرچہ مورخین اور تورات (سفر تکوین) نے اسی کو صحیح مانا ہے لیکن ہم کو اس کی صحت میں شک اور تردد ہے، اور یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت آدم (علیہ السلام) اور حضرت نوح (علیہ السلام) کے درمیان بیان کردہ سلسلوں سے زیادہ سلسلے ہیں۔ تورات میں خلقِ آدم علیہ السلام اور ولادت حضرت نوح علیہ السلام، نیز وفات آدم و ولادت نوح کی درمیانی مدت کا جو تذکرہ ہے ہم اُس کو بھی نقل کر دینا مناسب سمجھتے ہیں۔ البتہ یہ بات پیشِ نظر رہے کہ تورات کے عبرانی، سامری، یونانی زباں کے نسخوں میں بہت زیادہ اختلاف ہے اور اس بحث پر علامہ شیخ رحمت اللہ ہندی (کیرانہ ضلع مظفر نگر) کی مشہور کتاب "اظہارِ حق" قابلِ مطالعہ ہے۔ بہرحال تورات سے منقول نقشہ حسب ذیل ہے۔

سال	عمر بوقت پیدائشِ ابن	سال	عمر بوقت پیدائشِ ابن
۱۳۰	عمر آدم بوقت ولادت شیث	۶۵	عمر اخنوخ بوقت پیدائش متوشالح
۱۰۵	" شیث " انوش	۱۸۷	" متوشالح " لامک
۹۰	" انوش " قینان	۱۸۲	" لامک " نوح
۷۰	" قینان " مہلئیل	۱۰۵۶	مدت درمیان خلقِ آدم و ولادتِ نوح
۶۵	" مہلئیل " یارد	۹۳۰	مجموعی عمر آدم علیہ السلام
۱۶۲	" یارد " اخنوخ	۱۰۲۶	مابین وفاتِ آدم و ولادت نوح

قرآن عزیز میں حضرت نوح کا تذکرہ قرآن عزیز کے معجز نما نظم کلام کی یہ سنت ہے کہ وہ تاریخی واقعات میں سے جب کسی واقعہ کو بیان کرتا ہے تو اپنے اصل مقصد "وعظ و تذکیر" کے پیشِ نظر واقعہ کی اسی قدر جزئیات

کو نقل کرتا ہے جو مقصد کے لیے ضروری ہیں اور اجمال و تفصیل اور تکرار و عدم تکرار واقعہ میں بھی صرف ایک ہی مقصد اُس کے سامنے ہوتا ہے اور وہ یہی موعظت و عبرت کا مقصد ہے۔ چنانچہ اسی اسلوبِ بیان کے مطابق قرآنِ عزیز نے حضرت نوحؑ علیہ السلام کے واقعہ کا اجمالی و تفصیلی ذکر تینتالیس جگہ کیا ہے جس کا ثبوت مسطورۂ ذیل جدول سے ہوتا ہے۔

سورہ	آیت	سورۃ	آیت	سورۃ	آیت
آل عمران	۲۳	مریم	۵۸	غافر	۵، ۳۱
النساء	۱۶۳	الانبیاء	۷۶	الشوریٰ	۱۳
انعام	۸۴	الحج	۴۲	قٓ	۱۲
اعراف	۵۹، ۶۹	المومنون	۲۳	الذاریات	۴۶
التوبہ	۷۰	الفرقان	۳۷	النجم	۵۲
یونس	۷۱	الشعراء	۱۰۵-۱۰۶-۱۱۶	القمر	۹
ہود	۲۵، ۳۲، ۳۶، ۴۲	العنکبوت	۱۴	الحدید	۲۶
	۴۵، ۴۶، ۴۸، ۸۹	الاحزاب	۷	التحریم	۱۰
ابراہیم	۹	الصافات	۷۵-۷۹	نوح	۱، ۲۱، ۲۶
الاسراء	۳-۱۷	صٓ	۱۲		

لیکن اس واقعہ کی اہم تفصیلات صرف سورۂ اعراف، ہود، مومنون، شعراء، قمر اور سورۂ نوح میں ہی بیان ہوئی ہیں۔ ان سے حضرت نوحؑ اور ان کی قوم کے متعلق جس قسم کی تاریخ بنتی ہے وہی ہمارا موضوعِ بیان ہے۔

قومِ نوح حضرت نوحؑ کی بعثت سے پہلے تمام قوم خدا کی توحید اور صحیح مذہبی روشنی سے یکسر ناآشنا ہو چکی

تھی اور حقیقی خدا کی جگہ خود ساختہ بتوں نے لے لی تھی، غیر اللہ کی پرستش اور اصنام پرستی ان کا شعار تھا۔

دعوت و تبلیغ اور قوم کی نافرمانی

آخر سنت اللہ کے مطابق اُن کے رشد و ہدایت کے لیے بھی اُن ہی میں سے ایک ہادی اور خدا کے سچے رسول نوح علیہ السلام کو مبعوث کیا گیا۔

حضرتِ نوح نے اپنی "قوم" کو راہ حق کی طرف پکارا اور سچے مذہب کی دعوت دی لیکن قوم نے نہ مانا اور نفرت و حقارت کے ساتھ انکار پر اصرار کیا۔ امراء و رؤساءِ قوم نے اُن کی تکذیب و تحقیر کا کوئی پہلو نہ چھوڑا اور اُن کے پیرووں نے اُن ہی کی تقلید و پیروی کے ثبوت میں ہر قسم کی تذلیل و توہین کے طریقوں کو حضرتِ نوح پر آزمایا، انھوں نے اس پر تعجب کا اظہار کیا کہ جس کو نہ ہم پر دولت و ثروت میں برتری حاصل ہے اور نہ وہ انسانیت کے رتبہ سے بلند" فرشتہ ہیکل" ہے اُس کو کیا حق ہے کہ وہ ہمارا پیشوا بنے اور ہم اُس کے احکام کی تعمیل کریں۔

وہ غریب اور کمزور افرادِ قوم کو جب حضرت نوح علیہ السلام کا تابع اور پیرو دیکھتے تو مغرورانہ انداز میں حقارت سے کہتے کہ ہم ان کی طرح نہیں ہیں کہ تیرے تابع فرمان بن جائیں اور تجھ کو اپنا مقتدا مان لیں۔ وہ سمجھتے تھے کہ یہ کمزور اور پست لوگ نوح (علیہ السلام) کے اندھے مقلد ہیں، نہ یہ ذی رائے ہیں کہ مضبوط رائے سے ہماری طرح کام لیتے اور نہ ذی شعور ہیں کہ حقیقتِ حال کو سمجھ لیتے۔ وہ اگر حضرتِ نوح کی بات کی طرف کبھی توجہ بھی کرتے تو اُن سے اصرار کرتے کہ پہلے ان پست اور غریب افرادِ قوم کو اپنے دین سے نکال دے کیونکہ ہم کو ان سے گھن آتی ہے اور ہم اور یہ ایک جگہ نہیں بیٹھ سکتے۔

حضرتِ نوح اُس کا ایک ہی جواب دیتے کہ ایسا کبھی نہ ہوگا کیونکہ یہ خدا کے مخلص بندے ہیں اگر میں ان کے ساتھ ایسا معاملہ کروں جس کے تم خواہشمند ہو تو خدا کے عذاب سے میرے لیے کوئی جائے پناہ نہیں ہے۔ میں اس کے دردناک عذاب سے ڈرتا ہوں، اُس کے یہاں اخلاص کی قدر ہے امیر و غریب کا وہاں کوئی سوال نہیں ہے۔ نیز ارشاد فرماتے کہ میں تمہارے پاس خدا کی ہدایت کا پیغام لے کر آیا

ہوں نہ میں نے غیب دانی کا دعویٰ کیا ہے اور نہ فرشتہ ہونے کا۔ خدا کا برگزیدہ پیغمبر اور رسول ہوں، اور دعوت وارشاد میرا مقصد ونصب العین ہے۔ اس کو سرمایہ دارانہ بلندی، غیب دانی، یا فرشتہ ہیکل ہونے سے کیا واسطہ؟ یہ کمزور اور نادار افرادِ قوم جو خدا پر سچے دل سے ایمان لائے ہیں تمہاری نگاہ میں اس لیے حقیر وذلیل ہیں کہ وہ تمہاری طرح صاحبِ دولت ومال نہیں ہیں اور جب ان کا یہ حال ہے تو تمہارے خیال میں یہ نہ خیر حاصل کر سکتے ہیں اور نہ سعادت کیونکہ یہ دونوں چیزیں دولت وحشمت کے ساتھ ہیں نہ کہ نکبت وافلاس کے ساتھ سو واضح رہے کہ خدا کی سعادت وخیر کا قانون ظاہری دولت وحشمت کے تابع نہیں ہے اور اُس کے یہاں سعادت وہدایت کا حصول وادراک سرمایہ کی رونق کے زیرِ اثر نہیں ہے بلکہ طمانیتِ نفس، رضاءِ الٰہی، غناءِ قلب، اور اخلاصِ نیت وعمل پر موقوف ہے۔

حضرتِ نوح نے یہ بھی بارہا تنبیہ کی کہ مجھ کو اپنی اس ابلاغِ دعوت وارسالِ ہدایت میں نہ تمہارے مال کی خواہش ہے نہ جاہ ومنصب کی۔ میں اُجرت کا طلبگار نہیں ہوں، اس خدمت کا حقیقی اجر وثواب تو اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ اور وہی بہترین قدردان ہے۔ غرض سورۂ ہود حق وتبلیغ کے ان تمام مکالموں، مناظروں اور پیغاماتِ حق کے اس قسم کے ارشادات کا ایک غیر فانی ذخیرہ ہے۔

فَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن قَوْمِهِ	اس پر قوم کے اُن سرداروں نے جنھوں نے کفر کی راہ
مَا نَرَاكَ إِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرَاكَ	اختیار کی تھی کہا "ہم تو تم میں اس کے سوا کوئی بات
اتَّبَعَكَ إِلَّا الَّذِينَ هُمْ أَرَاذِلُنَا بَادِيَ	نہیں دیکھتے کہ ہماری ہی طرح کے ایک آدمی ہو اور جو
الرَّأْيِ وَمَا نَرَىٰ لَكُمْ عَلَيْنَا مِن	لوگ تمہارے پیچھے چلے ہیں اُن میں بھی ان لوگوں کے
فَضْلٍ بَلْ نَظُنُّكُمْ كَاذِبِينَ ۝ قَالَ	سوا کوئی دکھائی نہیں دیتا جو ہم میں ذلیل وحقیر ہیں
يَا قَوْمِ أَرَأَيْتُمْ إِن كُنتُ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ	اور بے سوچے سمجھے تمہارے پیچھے ہو لیے ہیں۔ ہم تو تم
مِّن رَّبِّي وَآتَانِي رَحْمَةً مِّنْ عِندِهِ	لوگوں میں اپنے سے کوئی برتری نہیں پاتے بلکہ تم

فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ أَنُلْزِمُكُمُوهَا وَأَنتُمْ لَهَا كَارِهُونَ ۝ وَيَا قَوْمِ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى اللَّهِ وَمَا أَنَا بِطَارِدِ الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّهُم مُّلَاقُو رَبِّهِمْ وَلَٰكِنِّي أَرَاكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُونَ ۝ وَيَا قَوْمِ مَن يَنصُرُنِي مِنَ اللَّهِ إِن طَرَدتُّهُمْ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ۝ وَلَا أَقُولُ لَكُمْ عِندِي خَزَائِنُ اللَّهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَا أَقُولُ إِنِّي مَلَكٌ وَلَا أَقُولُ لِلَّذِينَ تَزْدَرِي أَعْيُنُكُمْ لَن يُؤْتِيَهُمُ اللَّهُ خَيْرًا اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا فِي أَنفُسِهِمْ إِنِّي إِذًا لَّمِنَ الظَّالِمِينَ ۝

ہیں کہ تم جھوٹے ہو۔" نوح نے کہا اے میری قوم کے لوگو تم نے اس بات پر بھی غور کیا کہ اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے ایک دلیل روشن پر ہوں، اور اس نے اپنے حضور سے ایک رحمت بھی مجھے بخش دی ہو، (یعنی راہ حق دکھادی ہو) مگر وہ تمہیں دکھائی نہ دے، تو میں اسکے سوا کیا کرسکتا ہوں جو کر رہا ہوں؟) کیا ہم جبراً تمہیں راہ دکھادیں، حالانکہ تم اس سے بیزار ہو۔ لوگو یہ جو کچھ میں کر رہا ہوں، تو اس پر مال و دولت کا تم سے طالب نہیں میری خدمت کی مزدوری جو کچھ ہے صرف اللہ پر ہے اور یہ بھی سمجھ لو کہ جو لوگ ایمان لائے ہیں (وہ تمہاری نگاہوں میں کتنے ہی ذلیل ہوں) مگر میں ایسا کرنیوالا نہیں کہ اپنے پاس سے انہیں ہنکا دوں انہیں بھی اپنے پروردگار کو (ایک دن) ملنا ہے۔ (اور وہ ہم سب کے اعمال کا حساب لینے والا ہے) لیکن (میں تمہیں سمجھاؤں تو کس طرح سمجھاؤں) میں دیکھتا ہوں کہ تم ایک جماعت ہو، (حقیقت سے) جاہل۔ اے میری قوم کے لوگو! مجھے بتاؤ، اگر میں ان لوگوں کو اپنے پاس سے نکال باہر کروں (اور اللہ کی طرف سے مواخذہ ہو جس کے نزدیک معیار قبولیت ایمان و عمل ہے۔ نہ تمہاری گھڑی ہوئی شرافت و رذالت) تو اللہ کے مقابلہ میں کون ہے جو میری مدد کریگا؟ (افسوس تم پر!) کیا تم غور نہیں کرتے؟" اور دیکھو میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں۔ نہ یہ کہتا ہوں کہ میں غیب کی باتیں جانتا ہوں۔ نہ میرا یہ دعویٰ ہے کہ میں فرشتہ ہوں۔ میں یہ بھی نہیں کہتا کہ جن لوگوں کو تم حقارت کی نظر سے دیکھتے ہو، اللہ انہیں بھلائی نہیں دیگا (جیسا کہ تمہارا اعتقاد ہے) اللہ ہی بہتر جانتا ہے جو کچھ ان لوگوں کے دلوں میں ہے۔ اگر میں (تمہاری خواہش کے مطابق) ایسا کہوں، تو جو نبی ایسی بات کہے، میں ظالموں میں سے ہوگیا!"

بہرحال حضرتِ نوح نے انتہائی کوشش کی کہ بدبخت قوم سمجھ جائے اور رحمتِ الٰہی کی آغوش میں آجائے مگر قوم نے نہ مانا اور جس قدر اس جانب سے تبلیغِ حق میں جدوجہد ہوئی اسی قدر قوم کی جانب سے بغض و عناد میں سرگرمی کا اظہار ہوا۔ اور ایذا رسانی اور تکلیف دہی کے تمام وسائل کا استعمال کیا گیا اور اُن کے بڑوں نے صاف صاف کہدیا کہ ہم کسی طرح وَدّ، سُواع، یغوث، یعوق اور نسر جیسے بتوں کی پرستش ترک نہیں کر سکتے۔ اور اب تو ہم سے جنگ و جدل کو چھوڑ کر ہمارے نہ ماننے پر اپنے خدا کا جو عذاب لا سکتا ہے وہ لے آ۔

حضرتِ نوح علیہ السلام نے جواب دیا کہ عذابِ الٰہی میرے قبضہ میں نہیں ہے وہ تو اسی کے قبضہ میں ہے جس نے مجھ کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔ وہ چاہیگا تو یہ سب کچھ بھی ہو جائیگا۔

اسی قسم کے تمام مباحث ہیں جن کو سورۂ نوح میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے اور جو بلا شبہ ہدایت و ضلالت کے مہم مسائل کو آشکارا کرتے ہیں۔

بہرحال جب قوم کی ہدایت سے حضرت نوح علیہ السلام بالکل مایوس ہو گئے اور اُن کی تمردی و سرکشی، باطل کوشی اور عناد و ہٹ دھرمی اُن پر واضح ہو گئی اور اُنھوں نے قرآنی تصریح کے مطابق ساڑھے نوسَو ۹۵۰ سال کی پیہم دعوت و تبلیغ کا اُن پر کوئی اثر نہ دیکھا تو خدائے تعالیٰ نے اُن سے فرمایا۔

واوحی الی نوح انہ لن یؤمن من قومک الا من قد اٰمن فلا تبتئس بما کانوا یفعلون ۔ (ہود)	اور نوح پر وحی کی گئی کہ جو ایمان لے آئے وہ لے آئے، اب ان میں سے کوئی ایمان لانے والا نہیں ہے پس اُنکی حرکات پر غم نہ کر۔

جب حضرت نوح کو یہ معلوم ہو گیا کہ اُن کے ابلاغِ حق میں کوئی کوتاہی نہیں ہے بلکہ خود نہ ماننے والوں کی استعداد کا قصور ہے، اور ان کی اپنی تمردی و سرکشی کا نتیجہ تب اُن کے اعمال اور کمینہ حرکات سے متاثر ہو کر اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں یہ دعا فرمائی :-

رب لا تذر علی الارض من — اے پروردگار تو کافروں میں سے کسی کو بھی زمین پر
الکفرین دیارا، انک ان تذرھم — باقی نہ چھوڑ۔ اگر تو ان کو یونہی چھوڑ دیگا تو یہ تیرے
یضلوا عبادک ولا یلدوا الا فاجرا — بندوں کو بھی گمراہ کرینگے اور ان کی نسل بھی ان
کفارا (نوح) — ہی کی طرح نافرمان پیدا ہوگی۔

بنائے سفینہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح کی دعا قبول فرمائی، اور اپنے قانون "پاداشِ عمل" کے مطابق سرکشوں کی سرکشی اور متمردوں کے تمرد کی سزا کا اعلان کر دیا، اور حفظِ ماتقدم کے لیے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کو ہدایت فرمائی کہ وہ ایک کشتی طیار کریں۔ تاکہ اسبابِ ظاہری کے اعتبار سے اُن کو اور مومنینِ قانتین کو اس عذاب سے نجات رہے جو خدا کے نافرمانوں پر نازل ہونے والا ہے۔ حضرت نوح نے جب حکمِ رب میں کشتی بنانی شروع کی تو کفار نے ہنسی اور مذاق بنانا شروع کر دیا، اور جب اُنکا اُدھر سے گذر ہوتا تو کہتے کہ "خوب! جب ہم غرق ہونے لگیں گے تو تو اور تیرے پیرو اس کشتی میں محفوظ رہ کر نجات پا جائینگے، کیا احمقانہ خیال ہے"۔ حضرت نوح (علیہ السلام) بھی اُن کے اپنے انجام پر غفلت اور خدا کی نافرمانی پر جرأت دیکھ کر ان کو اُن ہی کے طرز پر جواب دیتے اور اپنے کام میں مشغول رہتے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی اُن کو حقیقتِ حال سے آگاہ کر دیا تھا۔

واصنع الفلک باعیننا ووحینا — اے نوح تو ہماری حفاظت میں ہماری وحی کے مطابق
ولا تخاطبنی فی الذین ظلموا — سفینہ تیار کیے جا اور اب مجھ سے ان کے متعلق کچھ نہ کہو
انھم مغرقون (ھود) — یہ بلاشبہ غرق ہونے والے ہیں۔

آخر سفینۂ نوح (علیہ السلام) بن کر تیار ہو گیا۔ اب خدا کے وعدۂ عذاب کا وقت قریب آیا، اور حضرت نوح نے اُس پہلی علامت کو دیکھا جس کا ذکر اُن سے کیا گیا تھا۔ یعنی اُن کے تنور میں سے پانی کا چشمہ اُبلنا شروع ہو گیا، تب وحی الٰہی نے اُن کو حکم سُنایا کہ کشتی میں اپنے خاندان کو بیٹھنے کا حکم دو اور تمام جانداروں

میں سے ہر ایک کا ایک جوڑا بھی کشتی میں پناہ گیر ہو۔ اور وہ مختصر جماعت (تقریباً چالیس نفر) بھی جو تجھ پر ایمان لا چکی ہے کشتی میں سوار ہو جائے۔

جب وحی الٰہی کی تعمیل پوری ہو گئی تو اب آسمان کو حکم ہوا کہ پانی برسانا شروع ہو اور زمین کے چشموں کو امر کیا گیا کہ وہ اُبل پڑیں۔

خدا کے حکم سے جب یہ سب کچھ ہو تا رہا تو کشتی بھی اُس کی حفاظت میں پانی پر ایک مدت تک محفوظ تیرتی رہی تا آنکہ تمام ساکنانِ زمین غرقِ آب ہو گئے۔

پسرِ نوح اس مقام پر ایک مسئلہ خاص طور پر قابلِ توجہ ہے وہ یہ کہ حضرت نوح (علیہ السلام) نے طوفانی عذاب کے وقت خدائے تعالیٰ سے اپنے بیٹے کی نجات کے متعلق سفارش کی اور خدائے تعالیٰ نے اُن کو اس سفارش سے روک دیا۔ اس مسئلہ کی اہمیت قرآنِ عزیز کی حسب ذیل آیات سے پیدا ہوتی ہے۔

ونادیٰ نوح ربہٗ فقال رب ان	اور نوح نے اپنے رب کو پکارا اور کہا اے پروردگار میرا
ابنی من اھلی وان وعدک الحق	بیٹا میرے اہل ہی میں سے ہے اور تیرا وعدہ سچا ہے اور
وانت احکم الحاکمین۔ قال ینوح	تو بہترین حاکموں میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کہا اے نوح
انہٗ لیس من اھلک انہٗ عملٌ	یہ تیرے اہل میں سے نہیں ہے یہ بدکردار ہے بس تجھ کو ایسا
غیر صالح فلا تسئلن مالیس	سوال نہ کرنا چاہئے جس کے بارہ میں تجھ کو علم نہ ہو میں بلاشبہ
لک بہٖ علم انی اعظک ان تکون	تجھ کو نصیحت کرتا ہوں کہ تو نادانوں میں سے نہ بن، نوح نے
من الجاھلین۔ قال رب انی	کہا "اے رب میں بالتردد اس بارہ میں کہ جس کے متعلق مجھے
اعوذ بک ان اسئلک مالیس لی بہٖ علم ط	علم نہ ہو میں تجھ سے سوال کروں تیری پناہ چاہتا ہوں۔ اور
والا تغفرلی وترحمنی اکن من	اگر تو نے معاف نہ کیا اور رحم نہ کیا تو میں نقصان اُٹھانے
الخاسرین۔ قیل یا نوح اھبط بسلامٍ	والوں میں ہونگا۔ نوح سے کہہ دیا گیا "اے نوح ہماری جانب سے
منا وبرکٰت علیک وعلیٰ امم ممن معک (ہود)	سلامتی اور برکتوں کے ساتھ اُتر جا تجھ پر اور ان جماعتوں پر جو تیرے ساتھ ہیں"

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نوح (علیہ السلام) سے خدا کا وعدہ تھا کہ وہ ان کے اہل کو نجات دیگا۔ اس لئے حضرت نوح نے اپنے بیٹے (کنعان) کیلئے دعا مانگی جس پر رب العالمین کی جانب سے عتاب ہوا کہ تم کو جس شے کا علم نہ ہو اُس کے متعلق اس طرز سے سوال کرنے کا حق نہیں ہے اس پر حضرت نوح نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا اور خدا تعالےٰ سے مغفرت و رحمت طلب کی اور اُس کی جانب سے خواہش کے مطابق جواب ملا۔

تو اب غور طلب بات یہ ہو کہ حضرت نوح (علیہ السلام) کا سوال کس وعدہ پر مبنی تھا اور آیا وہ وعدہ پورا ہوا یا نہیں، اور حضرت نوح کو اُس وعدہ کے سمجھنے میں کس قسم کی غلط فہمی ہوئی اور اللہ تعالیٰ کی تنبیہ پر انھوں نے کس طرح اصل حقیقت کو سمجھ لیا؟

اس سوال کے جواب میں حسب ذیل آیات قابلِ توجہ ہیں۔

سورۂ عنکبوت میں اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے وعدۂ الٰہی کو اس طرح ظاہر کیا گیا ہے۔

انا منجوک واھلک الا امرأتک	یقیناً ہم تجھ کو اور تیرے اہل کو نجات دینگے مگر تیری بیوی نجات
کانت من الغابرین ہ (عنکبوت)	سے پسماندہ لوگوں ہی کے زمرہ میں رہے گی۔

اور سورۂ ہود میں اس کو اس نظم کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

حتی اذا جاء امرنا وفار التنور	تا آنکہ جب ہمارا حکم (عذاب) آپہنچا اور تنور پانی سے اُبل پڑا تو
قلنا احمل فیھا من کل زوجین	تو ہم نے (نوح سے) کہا کہ ہر جاندار میں سے ایک ایک جوڑا کشتی
اثنین واھلک الا من سبق	میں اُٹھا لو اور اُس کے علاوہ کہ جس پر خدا کا فرمان ناطق ہو چکا
علیہ القول ومن آمن وما	ہے اپنے اہل کو بھی بٹھا لو اور جو تجھ پر ایمان لائے ہیں اُن کو
آمن معہ الا قلیل ہ	بھی۔ اور وہ بہت تھوڑے ہیں۔

ان ہر دو مقامات کی تلاوت سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ سورۂ عنکبوت میں خدا کا وعدہ جو حضرت نوح کے اہل کی نجات کے سلسلہ میں مذکور ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بے قید وعدہ تھا اور اُس میں صرف بیوی کا استثناء کر دیا گیا تھا۔ مگر سورۂ ہود میں "الا من سبق علیہ القول" کہہ کر یہ ظاہر کیا کہ اس وعدہ میں شرط بھی ہو اور اس وعدۂ نجات میں کچھ

مستثنیات بھی ہیں۔ اور اس کے بعد "ومن آمن" سے تصریح کر دی کہ وعدۂ نجات فقط مومنین کے ساتھ مخصوص ہو پھر بھی حضرت نوحؑ علیہ السلام نے یہ سمجھا کہ انجام کار اُن کی بیوی کے علاوہ اُن کا تمام خاندان نجات پا جائیگا اور "الا من سبق علیہ القول" کا مصداق صرف اُنکی اہلیہ ہی رہیگی۔ یہ سوچکر اُنھوں نے درگاہِ الٰہی میں "کنعان" کی نجات کی دُعا کی۔ مگر اللہ تعالیٰ کو اپنے جلیل القدر پیغمبر کا یہ "قیاس" پسند نہ آیا اور اُن کو تنبیہ کی کہ جو ہستی خدا کی "وحی" سے مستفیض ہوتی رہتی ہو وہ جذبۂ محبت پدری میں اس قدر سرشار ہو جائے کہ "وحی الٰہی" کے انتظار کئے بغیر خود ہی قیاس آرائی کر کے انجام کار تک کا فیصلہ کرلے؟ حالانکہ وعدۂ نجات صرف مومنین کے لئے مخصوص ہے اور "کنعان" کافروں کے ساتھ کافر ہی رہے گا تو پھر تمہارا اس قسم کا سوال منصب رسالت و نبوت کے شایان شان نہیں ہے۔

گویا حضرت نوحؑ سے خدائے تعالیٰ کا یہ خطاب درصل "عتاب" نہیں تھا بلکہ مشاہدۂ حقیقت کیلئے ایک پکار تھی جس کو انھوں نے سُنا اور اپنی بشریت و عبدیت کے اعتراف کے ساتھ ساتھ مغفرت کے طالب ہوئے اور خدا کی سلامتی اور برکت حاصل کر کے شادکام و بامراد بنے پس یہ سوال نہ معصیت کا سوال تھا اور نہ عصمتِ انبیاء کے منافی اس لئے خطابِ الٰہی نے اس کو "نادانی" سے تعبیر کیا نہ کہ گناہ اور نافرمانی سے۔

بہرحال حضرت نوحؑ کے سامنے یہ حقیقت آشکارا ہوگئی کہ وعدۂ نجات کا منشا "نسل و خاندان" نہیں ہے بلکہ "ایمان باللہ" ہے۔ اس لئے اب انھوں نے اپنا رُخ بدل کر کنعان کو مخاطب کیا اور اپنا منصبِ دعوت ادا کرتے ہوئے اُس سے چاہا کہ وہ بھی "مومن" بن کر "نجاتِ الٰہی" سے مستفید ہو۔ مگر اُس بدبخت نے جواب دیا۔

قال ساٰوی الی جبل یعصمنی من الماء (ہود) کہا میں بہت جلد کسی پہاڑ کی پناہ لیتا ہوں کہ وہ مجھ کو غرقابی سے بچا لیگا

حضرت نوحؑ نے یہ سُن کر فرمایا۔

قال لا عاصم الیوم من امر اللہ الا من رحم وحال بینھما الموج فکان من المغرقین (ہود) آج کوئی بچانے والا نہیں ہو صرف وہی بچیگا جس پر خدا کا رحم ہو جائے اس درمیان میں اُن دونوں کے درمیان موج حائل ہوگئی اور وہ غرق ہونے والوں میں سے ہو گیا

کوہ جودی | غرض جب حکمِ الٰہی سے عذاب ختم ہوا تو سفینۂ نوحؑ "جودی" پر جا کر ٹھیر گیا۔

وَقُضِیَ الْاَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَی الْجُوْدِیِّ اور حکم پورا ہوا اور کشتی جودی پر جا ٹھیری اور اعلان کردیا
وَقِیْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ۝ گیا کہ قوم ظالمین کے لئے ہلاکت ہے۔
(ہود)

توراۃ میں جودی کو ارارَاط کے پہاڑوں میں سے بتایا گیا ہے ارارَاط درحقیقت جزیرہ کا نام ہے یعنی اس علاقہ کا نام جو فرات و دجلہ کے درمیان دیار بکر سے بغداد تک مسلسل چلا گیا ہے۔

پانی آہستہ آہستہ خشک ہونا شروع ہوگیا اور ساکنان کشتی نے دوسری بار امن و سلامتی کے ساتھ خدا کی سرزمین پر قدم رکھا۔ اسی بنا پر حضرت نوح (علیہ السلام) کا "ابوالبشر ثانی" یا "آدم ثانی یعنی انسانوں کا دوسرا باپ" لقب مشہور ہوا۔

اگرچہ یہاں پہنچکر واقعہ کی تفصیلات ختم ہو جاتی ہیں تاہم اس اہم واقعہ میں جو علمی اور تاریخی سوالات پیدا ہوتے ہیں یا پیدا کئے گئے ہیں وہ بھی قابل ذکر و مذاکرہ ہیں جو ترتیب وار درج ذیل ہیں۔

(۱) طوفانِ نوح عام تھا یا خاص کیا طوفان نوح تمام کرۂ ارضی پر آیا تھا یا کسی خاص خطہ پر؟

اس کے متعلق علماء قدیم و جدید میں ہمیشہ سے دو رائے رہی ہیں۔ علماء اسلام میں سے ایک جماعت، علماء یہود و نصاریٰ اور بعض ماہرین علوم فلکیات، طبقات الارض، اور تاریخ طبعی کی یہ رائے ہے کہ یہ طوفان تمام کرۂ ارضی پر نہیں آیا تھا بلکہ صرف اسی خطہ میں محدود تھا جہاں حضرت نوح کی قوم آباد تھی اور یہ علاقہ مساحت کے اعتبار سے ایک لاکھ چالیس ہزار مربع کیلومیٹر ہوتا ہے۔

ان کے نزدیک طوفان نوح کے خاص ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اگر یہ طوفان عام تھا تو اس کے آثار کرۂ ارضی کے مختلف گوشوں اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر ملنے چاہئیں تھے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ نیز اس زمانہ میں انسانی آبادی بہت ہی محدود تھی اور اس کا رقبہ صرف وہی تھا جہاں حضرت نوح (علیہ السلام) اور ان کی قوم آباد تھی۔ ابھی حضرت آدم (علیہ السلام) کی اولاد کا سلسلہ اس سے زیادہ وسیع نہ ہوا تھا جو اس علاقہ میں آباد تھا۔ لہٰذا وہی مستحق عذاب الٰہی تھے اور ان ہی پر طوفان کا یہ عذاب بھیجا گیا۔ باقی کرۂ زمین کو اس سے کوئی علاقہ نہ تھا۔

اور بعض علماء اسلام، اور ماہرین طبقات الارض و تاریخ طبعی کے نزدیک یہ طوفان تمام کرۂ ارضی پر حاوی تھا، اور ایک ہی نہیں بلکہ ان کے خیال میں اس زمین پر متعدد ایسے طوفان آئے ہیں اور ان میں سے ایک یہ بھی تھا۔ وہ پہلی رائے

کے تسلیم کرنے والوں کو "آثار" کے متعلق یہ جواب دیتے ہیں کہ "جزیرہ" یا عراق عرب کی اس سرزمین کے علاوہ بلند پہاڑوں پر ایسے حیوانات کے ڈھانچے اور ہڈیاں بکثرت پائی گئی ہیں جن کے متعلق ماہرین علم طبقات الارض کی یہ رائے ہے کہ یہ حیوانات مائی ہیں اور صرف پانی ہی میں زندہ رہ سکتے ہیں، پانی سے باہر ایک لمحہ بھی ان کی زندگی دشوار ہے۔ اس لئے کرۂ ارض کے مختلف پہاڑوں کی ان بلند چوٹیوں پر ان کا ثبوت اس کی دلیل ہے کہ کسی زمانہ میں پانی کا ایک ہیبت ناک طوفان آیا جس نے پہاڑوں کی ان چوٹیوں کو بھی اپنی غرقابی سے نہ چھوڑا۔

مگر ان ہر دو خیالات وآرا کی اُن تمام تفصیلات کے بعد جن کا مختصر خاکہ مضمون زیر بحث میں درج ہے اہل تحقیق کی یہ رائے ہے کہ صحیح مسلک یہی ہے کہ یہ طوفان خاص تھا "عام" نہ تھا۔

مگر قرآن عزیز نے "سنت اللہ" کے مطابق صرف اُن ہی تفصیلات پر توجہ کی جو موعظت وعبرت کے لئے ضروری تھے اور باقی مباحث سے قطعاً کوئی تعرض نہیں کیا۔ اور ان کو انسانی علوم کی ترقی کے حوالہ کر دیا۔ وہ تو صرف یہ بتانا چاہتا ہے کہ تاریخ کا یہ واقعہ اہلِ عقل و شعور کو فراموش نہ کرنا چاہئے کہ آج سے ہزاروں سال قبل ایک "قوم" نے خدا کی نافرمانی پر اصرار کیا اور اُس کے بھیجے ہوئے ہادی حضرت نوح علیہ السلام کے رشد و ہدایت کے پیغام کو جھٹلایا، ٹھکرایا، اور قبول کرنے سے انکار کر دیا تو خدائے تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ کا مظاہرہ کیا اور ایسے سرکشوں اور متمردوں کو طوفانِ باد و باراں میں غرق کر کے تباہ و برباد کر دیا اور اسی حالت میں حضرت نوح اور مختصر سی ایماندار جماعت کو محفوظ رکھ کر نجات دی۔ ان فی ذٰلک لعبرۃ لاولی الابصار

(۲) **پسرِ نوح کی نسبی بحث** بعض علماء نے حضرتِ نوح کے اس بیٹے کے متعلق یہ کہا ہے کہ یہ حقیقی بیٹا نہ تھا، اور پھر دو رائے جدا جدا ہیں۔ ایک جماعت کہتی ہے کہ وہ "ربیب" تھا یعنی حضرت نوح کی بیوی کے پہلے شوہر کا لڑکا تھا جو حضرت نوح سے نکاح کے بعد اُن کی آغوش میں پلا بڑھا۔ اور دوسری جماعت حضرت نوح کی اُس کافرہ بیوی پر خیانتِ عصمت کا الزام لگاتی ہے۔

ان علماء کو ان غیر مستند اور دور از صواب تاویلوں کی ضرورت اس لئے پیش آئی ہے کہ ان کے خیال میں

پیغمبر کا بیٹا کافر ہو یہ بہت مستبعد اور عجیب معلوم ہوتا ہے۔

مگر تعجب ہے کہ وہ اس نصِ قرانی کو کیوں فراموش کر جاتے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ کے باپ "آذر" بُت تراش و بُت پرست کافر تھے۔ پس اگر ایک جلیل القدر پیغمبر کے باپ کے کفر سے رسولِ خدا کی جلالت وعظمت اور منصبِ رسالت و نبوت میں مطلق فرق نہیں آتا تو پھر عظیم المرتبت رسول و نبی کے بیٹے کے کفر سے اُس پیغمبر کی عظمت وجلالتِ قدر میں کیا نقص آسکتا ہے بلکہ ایک حقیقت نگاہ اور حقیقت شناس کے نزدیک تو یہ رب العالمین اور خالقِ کائنات کی قدرت کاملہ کا مظہر اتم ہے کہ وہ بنجر زمین میں گلاب اگا دیتا اور گلاب کے جھکتے ہوئے پھولوں کے ساتھ خار پیدا کر دیتا ہے۔ فتبارک اللہ احسن الخالقین۔

پس جبکہ قرآن عزیز نے یہ تصریح کی ہے کہ "کنعان" حضرت نوحؑ کا بیٹا تھا تو بلا وجہ ان رکیک اور بے سند تاویلات کی کیا حاجت۔

ایک اخلاقی مسئلہ اس مقام پر اگرچہ علامہ عبدالوہاب نجار نے قرآنِ عزیز کی تصریح ہی کو تسلیم کیا ہے تاہم اُن کے نزدیک حضرت نوحؑ کی بیوی بصراحتِ قرآن اگر کافر ہو سکتی ہے تو اُس پر خیانتِ عصمت کا الزام عائد کرنا بھی کوئی ناواجب بات نہیں ہے

مگر مجھ کو ان جیسے تمام مقامات میں ان بزرگوں سے ہمیشہ اختلاف رہتا ہے اور میں ورطۂ حیرت وتعجب میں پڑ جاتا ہوں کہ ان علماءِ کرام کے پیشِ نظر "نبی و رسول" کے معاملہ میں ان تمام نزاکتوں کا لحاظ کیوں نہیں ہوتا جو "اخلاق" "معاشرت" اور "تہذیب و تمدن" کی زندگی سے وابستہ ہیں۔

مثلاً اسی مقام کو لیجئے کہ صاحبِ قصص الانبیاء اور بعض دوسرے علماء کے نزدیک حضرت نوحؑ کی بیوی جب کافر ہو سکتی ہے تو خائن عصمت کیوں نہیں ہو سکتی اسلئے کہ دوسرا عمل پہلے سے کم درجہ رکھتا ہے؟

جواب یہ ہے کہ اس کو تسلیم کر لینے کے بعد کہ کفر زنا سے بہت زیادہ بُرا اور قبیح عمل ہے مجھے اس سے سخت اختلاف ہے کہ کسی پیغمبر و نبی کی بیوی اُن کے حبالۂ عقد میں رہتے ہوئے خائن عصمت ہو اور نبی و رسول اُس کی اس حرکت سے

غافل ہے۔ اس لئے کہ اگر کسی نیک اور صالح انسان کی بیوی شوہر سے چھپ کر اس قسم کی بدعملی میں مبتلا ہو جائے تو یہ ممکن ہے کیونکہ وہ ناواقف رہ سکتا ہے اور جب تک اُس کے علم میں یہ بدعملی نہ آئے اُس کی ثقاہت و تقویٰ پر مطلق کوئی حرف نہیں آتا۔

مگر ایک نبی و رسول کا معاملہ اس سے جُدا ہے اُس کے پاس صبح و شام خدائے برتر کی وحی آتی ہو وہ خدائے برتر کی ہمکلامی سے مشرف ہوتا ہے۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ نبی کے گھر میں ایک فاحشہ و زانیہ اُس کی رفیق حیات بھی رہے اور خدا کی وحی اُس سے قطعاً خاموش ہو۔

خدا کے برگزیدہ پیغمبر جب رشد و ہدایت کے لئے بھیجے جاتے ہیں تو ظاہری و باطنی ہر قسم کے عیوب سے معصوم اور پاک رکھے جاتے ہیں تاکہ کوئی ایک شخص بھی اُن کے حسب نسب، اخلاق و معاشرت پر نکتہ چینی نہ کر سکے۔ لہذا یہ کیسے جائز ہو سکتا ہے کہ وحی الٰہی اور ہمکلامی ربِ اکبر کے مدعی کے گھر میں بد اخلاقی کا جریمہ منتقل ہو رہا ہو اور اُس کو بےخبر اور غافل چھوڑ دیا جائے۔

ہمارے سامنے "عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا" کا واقعہ دلیلِ راہ ہے۔ اَن ہوئی کو ہوئی کہنے والوں، اور بے پر کی اُڑانے والوں نے کیا کچھ نہیں کیا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سمع مُبارک نے بھی سُنا، چند روز بدبخت و خوش بخت بننے والوں کے لئے آزمائش کے بھی ملے۔ مگر آخر کار وحی الٰہی نے معاملہ کو ایسا صاف کر دیا کہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو کر رہ گیا۔

"کفر" ایک عقیدہ ہے جو بلاشبہ سب سے بڑا جریمہ ہے مگر وہ سب کے سامنے واضح ہوتا ہے، پوشیدہ نہیں ہوتا۔ اب یہ امر جُدا ہے کہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت کے متوسط دور سے شرک و اسلام کے درمیان رشتۂ مناکحت کو قطعی حرام قرار دے دیا گیا۔ ورنہ مصلحتِ الٰہی نے اس سے قبل انبیاء سابقین کی شریعت میں اور خود شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے ابتدائی دور میں اس کو ممنوع نہیں قرار دیا تھا۔ سو اس معاملہ میں "کفر و زنا" کے تقابل کا سوال صحیح نہیں ہو سکتا، بلکہ معاشرتی بدکرداری و نیک کرداری کی

بقا و قیام کا سوال پیدا ہوتا ہے اور میرے نزدیک نبی و پیغمبر کی زندگیِ پاک کے ساتھ ایسی رفیقہ کا تعلق بھی ناممکن ہے۔ اگر یہ امرا تِ نوح ایک مرتبہ ایسا اقدام کرتی تو وحی الٰہی فوراً نبی کو مطلع کر کے تفریق کرا دیتی۔ یا کم از کم توبۃً نصوحاً پر جا کر معاملہ ٹھیرتا۔ میں تو اس سے آگے بڑھ کر یہ جرأت کرتا ہوں کہ اگر خدا نہ کردہ کسی روایت میں بھی اس قسم کے معاملات کا اشارہ پایا جاتا تو بھی ہمارا فرض تھا کہ اُس کی صحیح توجیہ تلاش کر کے اصل حقیقت کو سامنے لائیں چہ جائیکہ نہ قرآنِ عزیز اس کے متعلق کچھ کہتا ہے اور نہ صحیح و ضعیف روایات میں سے کوئی روایتِ حدیث و سیرت اس کا ذکر کرتی ہے تو خواہ مخواہ اس قسم کی دور از کار تاویلات سے عوام و متوسطین بلکہ جدید الخیال نوجوانوں کے دل و دماغ پر غلط نقوش نقش کرنے سے بجز مضرت و نقصان کے اور کیا حاصل ہے۔

بہرحال صحیح یہی ہے کہ کنعان پر حضرت نوح کی ہدایت و رشد کی جگہ اپنی کافر والدہ کی آغوشِ تربیت اور خاندان و قوم کے ماحول نے بُرا اثر ڈالا اور وہ نبی کا بیٹا ہونے کے باوجود کافر ہی رہا۔

پسرِ نوح با بداں بنشست

خاندانِ نبوتش گم شد

نبی و پیغمبر کا کام رشد و ہدایت کا پیغام پہنچانا ہے اولاد، اہلیہ، خاندان، قبیلہ اور قوم پر اُس کو زبردستی عائد کرنا اور اُن کے قلوب کو پلٹ دینا نہیں ہے۔

لست علیھم بمصیطر (غاشیہ) تو ان (کافروں) پر مسلط نہیں کیا گیا

وما انت علیھم بجبار (ق) اور تو ان کو (قبول حق کے لئے) مجبور نہیں کر سکتا

ہم نے حضرت نوح کے اس بیٹے کا نام کنعان تحریر کیا ہے یہ توراۃ کی روایت کے مطابق ہے۔ قرآن عزیز اس کے نام کی صراحت سے ساکت ہے جو نفس واقعہ کے لئے غیر ضروری تھا۔ (باقی)